خیر القرون کی اصطلاح کا مطلب

سیّد خالد جامعی

(کراچی یونی ورسٹی، کراچی)

عہد حاضر کا خدا اعلیٰ معیارِ زندگی ہے جو سرمایہ سے حاصل ہوتا ہے امت اسی میں مبتلا ہے یہ بھول گئی ہے کہ انقلاب امامت کے لیے بھوکا رہنا پڑتا ہے اپنا معیار زندگی کم کرنا پڑتا ہے اور مسلسل کم کرنے پر راضی رہنا ہوتا ہے۔ بھوکا رہنا، خالی پیٹ ہونا کوئی عیب نہیں یہ اللہ کے مقربین کی صفت ہے کم کھانے، کم سونے، کم بولنے دنیا سے کم سے کم تمتع کرنے کے باعث اہل اللہ پر اسرار کھلنے اور ان کے درجات بلند ہوتے ہیں، کھاتے رہنے سے بھوک نہیں مٹتی بھوک کم کھانے اور کھانا ترک کرنے سے مٹتی ہے، مستقل کھاتے رہنے والا ہمیشہ بھوکا ہی رہتا ہے جو بھوک کو قبول کرے اس کی بھوک مٹ جاتی ہے نفس قانع ہو جاتا ہے اس لیے صحابہ و صلحائے امت کثرت سے روزے رکھتے تھے۔

انبیاء کی تہذیبوں میں روزے رکھنا عام بات ہے لوگ لذات دنیا سے کنارہ کش رہتے ہیں تب ہی ان پر حکمت کے چشمے القاء ہوتے ہیں، لذت و چٹخارے میں مبتلا قوم کے معدے ہمیشہ کچھ نہ کچھ طلب کرتے رہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی قوم اس کی مثال ہے جسے حالت جہاد میں بھی من و سلویٰ پسند نہ تھا اسے قسم قسم کے کھانے درکار تھے۔ جب جمعہ کے خطبے میں ہم یہ سنتے ہیں کہ خیر القرون قرنی (۱) تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ دور جب آخرت ہر رویے پر غالب تھی جب دنیا سب سے حقیر شے تھی جب اللہ کی رضا اور معرفت ہی حاصل زندگی تھی دنیا سے تمتع کم سے کم تھا۔ کوئی ترقی، دنیا طلبی، لذات و آسائش کی تلاش میں سرگرداں نہیں تھا فقر کی خود اختیاری زندگی پر سب کو فخر تھا وہ کفار کی طرح دنیا سے تمتع کو درست نہیں سمجھتے تھے اور عیش و عشرت کی زندگی کے طالب اور حریص نہ تھے وہ صرف اور صرف حریص آخرت تھے اور اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی تگ و دو میں مصروف رہتے تھے۔ اگر خیر القرون ہی اصل معیار ہے تو ہمارا موجودہ طرز زندگی اس کی نفی ہے۔ جدیدیت [ماڈرن ازم] اور خیر القرون کی جستجو ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے دنیا اور دین برابر نہیں ہو سکتے۔

جو آخرت کو ترجیح دے گا وہ دنیا کا نقصان کرے گا جو دنیا کو ترجیح دے گا وہ لازماً آخرت کا نقصان کرے گا یہ ارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ صحابہ کرام کی محبت کا مرکز و محور رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی تھی، ان کا جینا اور

مرنا، کھانا پینا صرف اور صرف اسلام کے لیے تھا۔ اپنی ذات کو وہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے لیے فنا کر چکے تھے۔ ان کا حال ام المومنین حضرت جویریہ کے الفاظ میں یہ تھا "اخترت اللہ ورسولہ" میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو اختیار کر لیا ہے۔ [زرقانی ج ۲، ص ۲۵۵]

یہ الفاظ آپ نے اپنے والد اور قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار سے اس وقت کہے جب وہ آپ کو رہا کرانے کے لیے بہت سا مال و دولت بطور فدیہ لے کر آئے اور رسالت مآب ﷺ سے حضرت جویریہ کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جویریہ موجود ہیں جانا چاہیں تو لے جاؤ۔ باپ نے کہا کہ رسالت مآب محمد ﷺ نے تمہیں میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دی ہے۔ ساتھ چلو مگر جواب انکار میں ملا۔ باپ نے اپنی عزت کا واسطہ دیا لیکن حضرت جویریہ نے خود کو دین اسلام کی محبت میں گرفتار کر لیا تھا۔ اس گرفتاری سے رہائی پر تیار نہ ہوئیں اور آپ کے ایمان و استقامت کے باعث نہ صرف آپ کے والد بھائی بلکہ پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت جویریہ کی سوکن ام المومنین حضرت عائشہ کا اعتراف محبت دیکھئے فرمایا:

"ما اعلم امرأة اعظم برکة منها علی قومها۔ "میرے علم میں کوئی عورت ایسی نہیں ہے جو جویریہ سے زیادہ اپنی قوم کے لیے باعث خیر و برکت ہو"۔

سوکن کا یہ اعتراف ایمان اور اسلام کی خیر و برکت کا نتیجہ ہے اور قرن اول کی روحانیت کا ثمر ہے۔ اسی روحانیت کا اثر یہ تھا کہ ام المومنین حضرت حبیبہ کے والد حضرت ابوسفیان صلح حدیبیہ کے بعد اہل مکہ کے نمائندے بن کر صلح سے متعلق بعض معاملات کے بارے میں گفتگو کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور اپنی بیٹی ام حبیبہ کے گھر کاشانہ رسالت میں ان سے ملنے گئے۔ جب گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے رسول اللہ ﷺ کا بستر جو بچھا ہوا تھا لپیٹ دیا۔ حضرت ابوسفیان نے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا، آیا یہ بستر میرے لائق نہیں ہے یا میں بستر کے لائق نہیں ہوں تو آپ نے فرمایا ابا جان آپ مشرک ہیں اور یہ رسول اللہ کا بستر ہے اس لیے آپ اس بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں۔ [البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۴۳]

جامع ترمذی "باب ماجاء فی عدة المتوفی عنها زوجها" میں حضرت زینب بنت ام سلمہ سے روایت ہے کہ حضرت زینب، حضرت ام حبیبہ کے والد حضرت ابوسفیان کی وفات پر ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں [آپ کی وفات کو تین دن گزر چکے تھے] حضرت ام حبیبہ نے ایک خوشبو جو زعفران وغیرہ سے بنائی جاتی ہے جس میں سرخ و پیلا رنگ ہوتا ہے منگائی اور ایک بچی کے لگائی پھر اپنے رخساروں پر بھی لگائی اور فرمایا مجھے خوشبو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن میں نے رسالت مآب ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

کسی صاحب ایمان عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بھی میت کا تین دن سے زیادہ سوگ منائے۔ البتہ شوہر پر چار مہینہ دس دن سوگ منائے گی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرنے کے لیے اپنے رخساروں پر خوشبو لگا لی ہے۔ کیا عصر حاضر میں یہ رویہ کسی دینی گھرانے میں اختیار کرنا ممکن ہے؟ کتنی بدعات رسوم ورواج کے نام پر اختیار کر لی گئیں ہیں۔ ظہر، مغرب، اور عشاء، اور فجر کی بارہ سنت موکدہ نمازوں کے بارے میں رسالت مآب ﷺ کی تاکید سننے کے بعد حضرت ام حبیبہ کا ارشاد تھا

"فما برحت اصلیھن بعد" [مسند احمد] یعنی

"جب میں نے آپ کا یہ ارشاد سنا ہے کبھی ان رکعتوں کا ناغہ نہیں کیا۔"

ام المومنین حضرت صفیہ کے باپ حیی ابن اخطب قبیلہ بنی نضیر کے سردار تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون تک پہنچتا تھا۔ حضرت صفیہ کی والدہ قبیلہ بنی قریظہ کے سردار کی بیٹی تھیں [زرقانی، ج۳، ص۲۵۶ امیر اعلام النبلاء ج۲، ص۲۳۱] غزوۂ خیبر کے بعد حضرت صفیہ حضرت وحیہ کلبی کو رسالت مآب ﷺ نے عطا کیں بعد میں بعض اصحاب کے مشورے پر انہیں آزاد کر دیا کہ وہ اپنے وطن چلی جائیں یا مسلمان ہو کر آپ سے نکاح کر لیں۔ حضرت صفیہ نے فرمایا:

"اختیار اللہ و رسولہ لقد کنت اتمنی ذلک فی الشرک" "میں تو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں تو الحمد اللہ اللہ نے ایمان کی دولت سے نواز دیا میری تو اسلام لانے سے پہلے بھی یہی خواہش تھی" [زرقانی، ج۳، ص۲۵۸]

اللہ کے لیے اللہ کے رسول کو اختیار کرنا یہی مطلوب ایمان ہے۔ عرب کے دو بڑے قبیلوں سے وابستہ ان خاتون کا نکاح خیبر سے واپسی پر راستے میں منعقد کیا گیا۔ دوسرے دن ولیمہ ہوا، صحابہ کرام نے اپنے اپنے سامان میں سے کھجور پنیر گھی وغیرہ لے آئے ایک دستر خوان پر رکھ کر کھا لیا گیا یہی ولیمہ ہو گیا [سیر اعلام النبلاء، ج۲، ص۲۳۲، صحیح بخاری جلد۲، ص۶۰۶، باب غزوۃ خیبر]

کیا جمعہ کے خطبے میں خیر القرن قرونی (۱) کی حدیث سننے والے دنیا میں آباد ایک ارب مسلمانوں میں سے کوئی ایک بھی عصر حاضر میں ولیمے کے لیے اس طرح کی دعوت کا تصور بھی کر سکتا ہے؟ اگر کسی سے کہہ بھی دیا جائے تو وہ ایسی دعوت کو اپنے پیغمبر کی اتباع میں بھی قبول نہیں کرے گا کیونکہ یہ سادگی عہد حاضر کے غالب پر تعیش تعقل سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ ام المومنین حضرت صفیہ کے بارے میں ان کی باندی نے حضرت عمر سے شکایت کی کہ وہ یہود کی طرح اب تک یوم السبت کی تعظیم کرتی اور یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔ حضرت عمر نے حقیقت معلوم کرنا چاہی تو فرمایا کہ جب سے اللہ نے یوم الجمعہ عطا فرمایا ہے میں یوم السبت کی تعظیم نہیں کرتی، یہودیوں سے میری قرابت داری ہے ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں پھر انہوں نے اپنی باندی سے پوچھا کہ تم نے یہ شکایت کیوں کی باندی نے کہا کہ مجھے شیطان نے بہکا دیا تھا۔ آپ نے باندی کو سزا نہیں دی بلکہ فرمایا اچھا جاؤ تم آزاد ہو۔ [اصابہ، ج۷، ص۷۴۱] عفو و

در گزر، کرم، محبت، انتقام سے گریز، عطا، سخاوت کا یہ رویہ خیر القرن میں عام تھا۔ اب مفقود ہے۔ ام المومنین حضرت میمونہ کثرت سے نماز پڑھتی تھیں، غلام آزاد کرنے کا بھی بہت شوق تھا ان کے خوف خدا اور صلہ رحمی کا اعتراف میں آپ کی سوکن حضرت عائشہ فرماتی ہیں

"افهما كانت من اتفانا الله واوصلنا للرحيم" "میمونہ ہم لوگوں میں خوف خدا اور صلہ رحمی میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔" [اصابہ وزر قانی بحوالہ طبقات ابن سعد]

اتباع رسالت کا عالم یہ تھا کہ آپ حج یا عمرہ کے لیے مکہ آئیں تھیں طبیعت خراب ہوئی تو اپنے بھانجے سے کہا کہ مجھے مکہ سے لے چلوں کیونکہ مکہ میں میرا انتقال نہیں ہو گا۔ رسول اللہ نے مجھے پہلے ہی اطلاع دے دی ہے کہ تم کو مکہ میں موت نہیں آئے گی اور رسالت مآب ﷺ ک ی اطلاع کے مطابق آپ کا انتقال مدینہ سے قریب مقام سرف میں ۵۱ ہجری میں ہوا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں آپ کا نکاح اور ولیمہ سات ہجری میں ہوا تھا.

عہد رسالت میں جہیز کا کوئی تصور نہ تھا لہٰذا احادیث کی کسی کتاب میں جہیز کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت علی نے مہر میں اپنی درع یا اس کی قیمت دی تھی ان کے پاس مہر ادا کرنے کے لیے اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ رسالت مآب ﷺ نے حضرت فاطمہ کو ایک چادر، ایک مشکیزہ چمڑے کا، ایک گدا جس میں اذخر نام کی گھاس بھری ہوئی تھی اور چند چیزیں دیں۔ کیا عہد حاضر میں کسی دین دار گھرانے میں اس سادگی سے نکاح ممکن ہے؟ ایسے نکاح کو نہایت ذلت و حقارت سے دیکھا جائے گا اور کنجوس، لییم کے طعنے دیئے جائیں گے اس رویے کے ساتھ مسلمان پوچھتے ہیں کہ اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ اسلامی انقلاب کب آئے گا اور استخلاف فی الارض کب عطا ہو گا؟ حضرت حسن کے بارے میں رسالت مآب ﷺ نے فرمایا تھا:

" ابنی هذا سيده ولعل الله ان يصلح به بين الفنتين عظيمتين من المسلمين" "میرا یہ بیٹا سید [سردار] ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اللہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔" [صحیح بخاری مناقب الحسن والحسین والترمذی، ج ۲، ص ۲۱۸، فی المناقب]

حضرت حسن نے اس حدیث کے مطابق عمل کرتے ہوئے اپنی خلافت کے چھ سات ماہ بعد حضرت معاویہ سے صلح کر لی اور آپ کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو جواب دیا کہ اگر خلافت حضرت معاویہ کا حق تھی تو ان کو مل گئی اور اگر میرا حق تھی تو میں اپنے حق سے دست بردار ہو گیا۔ آپ کے اس اقدام کے نتیجے میں امت ایک بار پھر متحد ہو گئی اس سال کو امت کی تاریخ میں "عام الجمع" کا سال کہا جاتا ہے۔ جب امت ایک بار پھر مجتمع ہو گئی تاریخ میں کوئی ایسی مثال دکھائی جاسکتی ہے کہ اللہ کے لیے کوئی فرد سلطنت حکومت سے دست بردار ہو جائے۔ امت کو جوڑنے کے لیے ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرے اس وقت تو امت کا ہر گروہ

خلافت، حکومت، اقتدار کی تگ و دو میں شب و روز مصروف ہے۔ سیاسی اسلام، اسلام کا نفاذ بذریعہ حکومت و قوت اس عہد کا مقبول ترین نعرہ ہے۔ مگر امت میں دور دور تک کوئی حسنی نہیں جو کسی دوسرے اسلامی گروہ، اسلامی جماعت، اسلامی قیادت کے حق میں دستبردار ہو کر امت کو اکٹھا کر دے۔ یہ پارہ پارہ امت کیا کبھی مجتمع بھی ہو سکے گی؟ اگر نہیں تو یہ استخلاف فی الارض کیسے مل سکے گا؟ حضرت حسن نہایت امیر ترین آدمی تھے لیکن مال راہ خدا میں خرچ کرتے تھے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ اپنے موزے بھی اللہ کے راستے میں خرچ کر دیئے اور صرف جوتے روک لیے کیا عہد حاضر میں کوئی امیر دین دار اس طرز زندگی کو اختیار کرنے کا تصور بھی کر سکتا ہے جس امت پر دنیا کا غلبہ ہو اور اس قدر کہ قرنِ اول کے طرزِ زندگی کا عصر میں تصور کرنا بھی محال ہو گیا ہو تو اس امت کو دنیا پر غلبہ کیسے عطا ہو سکتا ہے جو دنیا میں گرفتار ہے اور دنیا ہی جس کا ہدف اور مقصود ہے اللہ نے اس امت کو اہل دنیا کے سپرد کر دیا ہے۔

خیر القرن کا خاص وصف مصیبتوں پر صبر اور اللہ سے بہترین مستقبل کی امید تھی۔ تمام صحابہ رسالت مآب ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرتے تھے کہ "ما من مسلم تصيبه مصيبة فيقول ما امره الله به انا الله وانا اليه راجعون۔ اللهم اجرني في مصيبتي واخلف لي خيرا منها الا احلف الله له خيراً منها۔"

"جس صاحب ایمان پر کوئی مصیبت آئے]اور کوئی چیز فوت ہو جائے[اور وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ سے وہ عرض کرے جو عرض کرنے کا حکم ہے کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم سب لوٹ کر جانے والے ہیں اے اللہ مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما]اور جو چیز مجھ سے لی گئی ہے[اس کے بجائے اس سے بہتر مجھے عطا فرمائے تو اللہ تعالیٰ اس چیز کے بجائے اس سے بہتر ضرور عطا فرمائے گا۔"

ام المومنین حضرت سلمہ کو شوہر کے انتقال کے بعد عدت مکمل ہونے پر حضرت عمر اور ابو بکر نے رسالت مآب ﷺ کی جانب سے نکاح کا پیغام دیا تو آپ نے اسے قبول کرنے کے بجائے تین عذرات پیش کیے۔ وقت کے پیغمبر اور حکمراں کی جانب سے نکاح کی پیشکش ہو رہی ہے اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی ہے لیکن اس لمحہ مسرت میں بھی نفس کا کوئی تقاضہ ایمان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ ذات رسالت مآب ﷺ کے سامنے بھی اصل بات پیش کر دی جائے کیونکہ اگر کوتاہی ہوئی تو ایمان باقی نہیں رہے گا یہ احساس ذمہ داری اس قرن کا خاص وصف تھا آج اس کی آرزو بھی نہیں ملتی۔ ان عذرات کے بیان کا مقصد رسالت مآب ﷺ کے سامنے اصل صورت حال پیش کرنا کہ آپ اگر فیصلہ تبدیل کرنا چاہیں تو کر لیں اور یہ خوف کہ رسالت مآب ﷺ کی رفاقت حاصل ہو اور آپ کی خدمت میں کوتاہی ہو، حقوق کی ادائیگی نہ ہو سکے، عذر یہ تھا[۱] میں بہت غیرت مند ہوں[۲] میرے کئی بچے ہیں[۳] میری عمر بہت زیادہ ہو گئی ہے[۴] میرا کوئی ولی مدینہ میں نہیں ہے۔ یہ دیانت داری، صاف گوئی، سچائی ہر اس مومن کے لیے دین کو مطلوب ہے جو اسلامی انقلاب کی آرزو رکھتا ہے اور دنیا بھر سے اس آرزو کی خاطر

جہاد کے لیے تیار ہے لیکن اپنے نفس کے خلاف جہاد پر قطعاً آمادہ نہیں اس لیے ہمارا خاندانی اور معاشرتی نظام مسلسل شکست و ریخت اور زوال کا شکار ہے۔

ام المومنین حضرت زینب نے رسالت مآب ﷺ کے حکم پر ایک غلام حضرت زید بن حارثہ جو رسالت مآب ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے اور علم و دین میں ممتاز ترین انہیں قبول فرما لیا اور جب نباہ نہ ہو سکا تو مکہ کے دو بڑے خاندانوں کی عورت ہونے کے باوجود اپنے شوہر سے طلاق بھی بخوشی قبول فرمالی۔ رسالت مآب ﷺ نے ان کی دل جوئی کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا اور یہ پیغام حضرت زید ہی لے کر گئے تو اللہ کی اس نیک بندی کا جواب یہ تھا

" ما انا بصانعة شيئا حتى او امر ربى فقامت الى مسجدها " [صحیح مسلم جلد ا، ص ۴۶۱]

"کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے میں اللہ سے استخارہ ضرور کروں گی یہ کہہ کر اپنے مصلے پر کھڑی ہو گئیں۔

یعنی نماز شروع کر دی، اللہ سے یہ تعلق تھا کہ سورۃ احزاب کی آیت نازل ہوئی اور آسمان پر آپ کا نکاح ہوا، اللہ رب العزت آپ کے ولی بن گئے۔ حضرت زینب اس بات پر فخر کرتی تھیں کہ میرا نکاح میرے رب نے کیا ہے جبکہ دیگر ازواج مطہرات کا نکاح ان کے اولیاء اور اہل خانہ نے کیا ہے۔" فيقول زوجكن اهاليكن و زوجني الله من فوق سبع سموات "[صحیح بخاری، جلد ۲، ص ۱۱۰۴] حضرت زینب کا نکاح اللہ کے حکم سے آسمانوں پر ہوا تو سب سے شاندار ولیمہ بھی آپ کا کیا گیا۔ بخاری کی روایت ہے کہ اس شاندار ولیمے میں صرف بکری ذبح کی گئی تھی [ج ۲، ص ۷۷۷، صحیح مسلم، ج ا، ص ۴۶۱]

کیا روئے ارض پر کوئی ایسا صاحب حیثیت مسلمان عصر حاضر میں موجود ہے جو معمولی بھی ہو، حکمران بھی ہو، اور اس کے ولیمے میں صرف ایک بکری پر دعوت ولیمہ منعقد ہو سکے یہ تصور کرنا بھی عصر حاضر کے دینی ذہن کے لیے ناقابل قبول ہے اگر اس بیان میں شک ہو تو اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ہر دینی مزاج رکھنے والا مسلمان غور کر لے! حضرت زینب کے بارے میں ام المومنین ام سلمہ اور حضرت عائشہ کی گواہی ہے۔ بہت صالحہ، کثرت سے روزہ رکھنے والی اور شب بیدار تھیں [زرقانی شرح مواھب] میں نے ان سے زیادہ دیندار، متقی و پرہیزگار، سچ بولنے والی، صلہ رحمی کرنے والی، صدقہ کرنے والی اور اپنی جان کو نیکی اور تقرب الی اللہ کے کاموں میں زیادہ کھپانے والی کوئی عورت نہیں دیکھی۔ [صحیح مسلم باب فضائل عائشہ] کیا عہد حاضر کی کوئی دینی ساس، بہو اور سوکن ایک دوسرے کے بارے میں کبھی اس طرح کے کلمات دیانتداری سے ادا کر سکتے ہیں اس معاشرت کی عدم موجودگی میں اسلامی انقلاب کے کیا معانی ہیں حضرت زینب کوتاہ قامت اور ان کے ہاتھ بھی اسی لحاظ سے چھوٹے تھے لیکن سخاوت، انفاق، کار خیر میں ان کے ہاتھ لمبے تھے، حضرت عائشہ کا قول ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

" قال لنا امرعكن لحوقاً اطوالكن باعاً فبشرها لبسرعة لحوقها به وهي زوجة في الجنة" [سیر الاعلام النبلاء، ج ۲، ص ۲۱۵]

"رسول اللہ نے ان کے بارے میں یہ خوشخبری دی ازواج مطہرات میں میری وفات کے بعد سب سے پہلے میرے پاس آنے والی میری وہ بیوی ہوگی جو سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہوگی] یعنی کار خیر میں بہت خرچ کرنے والی[اور وہ جنت میں بھی رسول اللہ کی بیوی ہیں۔"

رسالت مآب ﷺ کے وصال کے بعد ازواج النبی ﷺ اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں اور آپ کے فرمان اطولکن باعاکا ظاہری مطلب ہی لیتی تھیں لیکن جب رسالت مآب ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب کا انتقال ہوا تو ازواج مطہرات کو اطولکن باعاکا مطلب سمجھ میں آیا سب سے زیادہ سخی اور فیاض۔ اور تمام ازواج مطہرات کی گواہی ہے کہ واقعی ام المومنین زینب ہم سب میں سب سے زیادہ سخی اور فیاض تھیں۔ حضرت زینب کی فیاضی کس درجے کی ہوگی اس کے لیے حضرت عائشہ اور حضرت ام المومنین سودہ بنت زمعہ کی فیاضی کے صرف دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے درہموں سے بھری ہوئی ایک تھیلی ان کی خدمت میں بھیجی، تھیلی حضرت سودہ نے لی اور سب درہم ضرورت مندوں پر تقسیم فرما دیئے۔

حضرت عروہ کی روایت ہے کہ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ حضرت عائشہ نے ستر ہزار درہم صدقہ کیے اور ان کے اپنے کرتے میں پیوند لگ رہا تھا یقیناً یہ ازواج فیاضی میں حضرت زینب سے کم ہوں گی تو اندازہ کیجیے کہ حضرت زینب کی فیاضی کس درجے کی ہوگی کیا عہد حاضر کے دینی گھرانوں میں ایسی فیاض عورتیں موجود ہیں۔ عہد حاضر کی دینی مزاج عورتیں اگر دنیادار اور اس قدر حریص دنیا ہیں کہ اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا تمام وقت صرف کپڑے بنانے، کھانے پینے اور گھومنے پھرنے کے لیے وقف ہے۔ ایسی ماؤں کی گود سے قرن اول کی نسل کیسے پیدا ہو سکتی ہے جب وہ مائیں ہی مفقود ہیں تو قرن اول کا معاشرہ روئے زمین پر کیسے ظہور کر سکتا ہے! رسالت مآب ﷺ نے حضرت زینب کے بارے میں حضرت عمر سے کہا تھا کہ زینب کو کچھ نہ کہو اس لیے کہ وہ ادھ ہیں کسی صحابی نے ادھ کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا کہ ادھ کے معنی ہیں خشوع و خضوع کرنے والی اور آپ نے آیت کریمہ پڑھی :

(ان ابراهيم حليم او منيب) "بردبار اور خشوع و خضوع کرنے والے اور اللہ کی طرف توجہ کرنے والے۔"

حضرت زینب کی وفات پر حضرت عائشہ نے کہا تھا:

" ذهبت حميدة سعيدة مقزع اليتامى، والارامل""ایک ستودہ صفات نیک بخت اور یتیموں و بیواؤں کی سہارا عورت دنیا سے رخصت ہوگئی۔"

ایسی نیک بخت عورتوں کی کثرت کے بغیر نہ اسلامی خاندان بن سکتا ہے نہ اسلامی معاشرت جنم لے سکتی ہے افسوس کہ کسی اسلامی تحریک کے نصاب، نظام تعلیم وتربیت میں ایسی عورتوں کی تعمیر و تشکیل وتربیت کا کوئی تصور تک موجود نہیں ہے۔ قرن اول میں گفتگو کا اندازہ کیا تھا حفظ مراتب کیسے ملحوظ رکھے جاتے تھے اس کا تصور بھی آج محال ہے۔ رسالت مآب ﷺ کے چچا حضرت عباس عمر میں آپ ﷺ سے دو سال بڑے تھے لیکن جب بھی کوئی آپ سے سوال کرتا کہ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ ﷺ تو وہ جواب میں کہتے کہ "هو اكبر وانا وُلدت قبله "] سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۸۰[یعنی "بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہی ہیں ہاں پیدا پہلے میں ہوا تھا۔" حضرت عمر کے زمانے میں قحط پڑ گیا تھا تو حضرت عمر نے حضرت عباس سے بارش کی دعا کرنے کی درخواست کی، انہوں نے درخواست قبول کی اور اللہ نے بارانِ رحمت نازل فرمایا۔[صحیح بخاری باب سوال الناس الامام الاستقاء اذا قحطورا]

حضرت عبداللہ بن عباس حبر الامت انہی حضرت عباس کے صاحب زادے تھے وصال نبوی ﷺ کے وقت آپ کی عمر صرف تیرہ برس تھی۔ رسالت مآب ﷺ نے حضرت عباس کی اولاد اور ان کے لیے دعا فرمائی تھی

" اللّهم اغفر للعباس وولده مغفرة ظاهرة وباطنة لاتغادر ذنبه اللّهم احفظه فى ولده" [جامع ترمذی باب مناقب عباس]

"اے اللہ! عباس اور ان کی اولاد کے تمام ظاہری و باطنی گناہ معاف فرما دیجیے اور اے اللہ! ان لوگوں کی ایسی مغفرت فرما دیجیے کہ کوئی گناہ باقی نہ رہنے دے اے اللہ عباس کی حفاظت فرما ان کی اولاد کے بارے میں۔ "

اس دعا کا اثر یہ تھا کہ حضرت ابن عباس علم وحکمت تفقہ فی الدین اور علم تفسیر القرآن میں ممتاز تر تھے۔ رسالت مآب ﷺ نے ایک بار آپ کے لیے دعا فرمائی:

"اللّهم فقه فى الدين وعلمه التاويل۔" "اے اللہ ان کو تفقہ فی الدین عطا فرما اور علم تاویل۔" [مسلم ج ۲، ۱۹ ۲۰، باب فضائل عبداللہ بن عباس، اصابہ ج ۴، ص ۱۴۳]

جامع ترمذی میں روایت ہے ابن عباس کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے اپنے سینۂ مبارک سے چمٹا لیا اور دعا فرمائی " اللّهم علمه الحكمة "(جامع ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۳ و صحیح بخاری باب ذکر ابن عباس) ان کی کم عمری کے باوجود حضرت عباس کے تفقہ فی الدین کو تمام صحابہ کرام اہمیت دیتے۔ حفظ مراتب میں عمر نہیں علم اور عمل مراتب کا تعین کرتے ہیں۔

حضرت عمر فرماتے تھے" ذلك فتى الكهول نه لسان سئول وقلب عقول" (سیر اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۳۴۵) "یہ ایسے نوجوان ہیں جنھیں پختہ عمر لوگوں کا فہم و بصیرت حاصل ہے۔ ان کی زبان علم کی جویا اور قلب عقل کی محافظ ہے۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ حاضر دماغ، عقل مند، صاحب علم، حلیم و بردبار شخص نہیں دیکھا۔ حضرت عمرؓ مشکل مسائل کو حل کرنے کے لیے حضرت عباس کو بلاتے اور کہتے ایک مشکل مسئلہ پیش آ چکا ہے پھر ان کے قول کے مطابق ہی عمل کرتے حالانکہ ان کی مجلس میں بدری صحابہ بھی موجود ہوتے تھے۔" **فیقول قد جاء ت معضلة ثم لا یجاوز قوله و ان حوله لاهل بدر**" (سیر اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۳۴۷) لہٰذا حضرت عباس کو کم عمری کے باوجود حضرت عمر اکابر صحابہ، بدری صحابہ کے ساتھ بٹھاتے تھے

یہ مقام ابن عباس کو دین کے لیے محنت سے ملا اور محنت کا طریقہ کیا تھا حضرت عباس کی زبان مبارک سے ان کے الفاظ میں سنیئے کہ: میں نے خود اکابر صحابہ کرام کے پاس جا جا کر رسول اللہ کی احادیث اور دین کا علم حاصل کرنا شروع کر دیا کبھی ایسا بھی ہوا کہ مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی ایک حدیث فلاں صحابی کے پاس ہے ان کے گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ قیلولہ کر رہے ہیں۔ یہ سن کر میں نے چادر بچھائی اور ان کے دروازے کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ گیا، ہواؤں نے میرے سر اور جسم پر گرد و غبار لا کر ڈال دیا، اتنے میں وہ صحابی نکل آئے اور مجھے اس حال میں دیکھ کر کہا آپ رسول اللہ ﷺ کے بھائی ہیں آپ مجھے بلا لیتے میں حاضر ہو جاتا۔ آپ نے کیوں زحمت فرمائی میں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے میں وہ حدیث آپ سے حاصل کرنے آیا ہوں اور اس کام کے لیے میرا آنا ہی زیادہ مناسب ہے"۔

اس جد و جہد، دلچسپی، کوشش، خشوع و خضوع اور احترام علم و اکرام حدیث کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکابر صحابہ کی رحلت کے بعد لوگ طلب علم کے لیے حضرت عباس کے پاس آنے لگے۔ (مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۷۷، و تذکرہ الحفاظ ج ۱، ص ۴۳) فرماتے تھے کہ میں ایک حدیث یا ایک مسئلے کو تیس تیس صحابہ کرام سے معلوم کرتا تھا۔ **ان کنت لاسئال عن الامر الواحد ثلثین من اصحاب النبی ﷺ** (سیر اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۳۴۴)

علم دین عہد رسالت میں کیسے حاصل کیا جاتا تھا اور اس طریقے سے حاصل کرنے والوں کو کن کن شدید آزمائش سے گزرنا پڑتا تھا کن اصولوں کی پاسداری کرنی ہوتی تھی اور پھر ان اہل علم کا مرتبہ امت میں کیا ہوتا تھا اس کے لیے حضرت ابو ہریرہ کی زندگی دیکھیے۔ رسالت مآب ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ میں ایک چھپر ڈلوا کر علم دین سیکھنے والوں کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ یہ اصحاب صفہ تھے یہی ان کی رہائش گاہ درس گاہ تھی جس کے معلم رسالت مآب ﷺ تھے۔ علم الٰہی علم دین اور علم نبوی ﷺ کے حاملین ان طالبان کی کفالت اہل مدینہ کے ذمہ تھی، ان کو کسی سے سوال کرنے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ خواہ کچھ بھی گزر جائے اور کیا کیا زمانے ان پر نہیں گزرے، بھوک، نقاہت، غربت، فقر و فاقہ، افلاس، غربت اور فاقے کے باعث یہ اصحاب نمازمیں کھڑے ہوتے تو گر جاتے، رسالت مآب ﷺ نماز سے فارغ ہو کر فرماتے تم لوگوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ تمہارے لیے ان فاقوں کے بدلے اللہ کے یہاں کیا کیا اجر و ثواب ہے تو تم خواہش کرو کہ ان فاقوں میں مزید اضافہ ہو۔ (جامع ترمذی باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب

النبی ﷺ) عصر حاضر کے ذہن کے لیے اس زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں کیونکہ وہ اپنے زماں و مکاں میں مقید محصور اور مسرور ہے۔ تعقل غالب اس طرز زندگی سے ہم آہنگ ہے لہٰذا یہ قابل قبول نہیں۔ صفہ میں بہت سے طالبان دین تھے۔ حضرت ابوہریرہ بھی انہی میں سے ایک طالب علم تھے اکثر بھوک سے بے ہوش ہو کر گر جاتے صحابہ سمجھتے کہ مرگی کا دورہ ہے حالانکہ یہ حالت بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔ (جامع ترمذی، مسحولہ بالا) اس فقر و فاقہ قربانی کا صلہ یہ نکلا کہ آپ نے سب سے زیادہ احادیث روایت کیں ان کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ (اصابہ، ج۷، ص۲۰۱) حضرت ابوہریرہ ۷ ہجری میں اسلام لائے مگر اس کثرت سے آپ کی احادیث کے دو اسباب ہیں۔ وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ: "میں ہمیشہ رسول ﷺ کے ساتھ رہتا تھا نہ اچھا کھانا کھاتا تھا اور نہ اچھا کپڑا پہنتا تھا اور نہ کسی سے خدمت لیتا تھا، بھوک کے باعث کبھی کبھی مجھے اپنے پیٹ کے بل زمین پر لیٹ جانا پڑتا تھا کبھی فرماتے **کنت رجلا مسکیناً اخدم رسول اللّٰہ ﷺ علی مل بطنی وکان المهاجرون یتغلهم ایفام علی اموالهم** (صحیح مسلم باب فضائل ابوہریرہ) میں ایک مسکین شخص تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتا تھا اور در دولت ہی سے کچھ کھانے کو مل جاتا تھا حضرات مہاجرین تجارت میں مشغول رہتے اور انصاری صحابہ اپنے باغات میں (اس لیے مجھے آپ کی احادیث و اقوال محفوظ کر لینے کا زیادہ موقع میسر آیا) دوسری وجہ حضرت ابی بن کعب یہ بتلاتے ہیں کہ ابوہریرہ رسول اللہ ﷺ سے ایسے سوالات کر لیا کرتے تھے جن کی ہمت ہم میں سے کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ (اصابہ، ج۷، ص۲۰۲)

علم دین جو اصل علم "العلم" ہے حضرت ابوہریرہ اس کے اس قدر حریص تھے کہ دنیا کی ساری نعمتیں ان کے نزدیک اس علم کے سامنے ہیچ تھیں۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کی غربت، خستہ حالی، مسکینی، فقر و فاقہ کشی کے پیش نظر بلایا اور فرمایا: التسالنی عن هذه الغنائم ابوہریرہ غنیمت کے ان مالوں میں سے کچھ مانگو۔ حضرت ابوہریرہ نے اس غربت و افلاس کے عالم میں جواب دیا **اسئلک ان تعلمنی مما علمک اللّٰہ** اللہ کے رسول ﷺ مجھے وہ علم عنایت فرما دیجیے جو اللہ نے آپ کو عنایت فرمایا ہے۔ (اصابہ، ج۷، ص۲۰۴) رسالت مآب ﷺ نے آپ کے ذوق و شوق کے پیش نظر آپ کے لیے دعائیں بھی کیں اس لیے آپ کا حافظہ غضب کا تھا۔ محدثین آپ کو احفظ اصحاب محمد اور احفظ من روی الحدیث فی عصرہ کہتے ہیں۔ ایک بار حضرت ابوہریرہ نے رسالت مآب ﷺ سے بھول جانے کی شکایت کی کہ آپ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں لیکن یاد نہیں رہتیں۔ تو آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ میں نے چادر پھیلا دی اس پر آپ نے کچھ پڑھا پھر آپ کے حکم سے میں نے اسی چادر کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا اس دن کے بعد سے میں کبھی آپ کی کوئی بات نہیں بھولا (صحیح مسلم و جامع ترمذی ابواب المناقب و الفضائل) حضرت ابوہریرہ کی رائے تھی کہ صحابہ کرام میں سے کوئی شخص بھی رسول اللہ ﷺ سے اس کثرت سے روایتیں نقل نہیں کرتا جس کثرت سے میں نقل کرتا ہوں البتہ عبداللہ بن عمرو بن العاص مجھ سے زیادہ روایات نقل کرتے ہیں اس لیے وہ لکھتے ہیں اور میں نہیں لکھتا ہوں فانہ کان یکتب ولا اکتب (صحیح بخاری باب کتابۃ العلم) حیرت ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی حفظ کردہ روایات کی تعداد حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص سے بہت زیادہ ہیں۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے کسی نے کہا کہ کیا ابو ہریرہ نے واقعی آپ لوگوں سے زیادہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں یا یوں ہی روایت نقل کرتے ہیں۔ حضرت طلحہ نے جواب دیا انھوں نے واقعی وہ روایات آپ سے سنی ہیں جو ہم لوگوں نے نہیں سنی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسکین شخص تھے مال و دولت ان کے پاس نہ تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان تھے۔ آپ ہی کے ساتھ کھاتے پیتے تھے، اور ہمہ وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے اور ہم لوگ اہل وعیال اور مال ومتاع والے تھے۔ ہماری حاضری صرف صبح، شام ہوئی تھی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو روایات وہ بیان کرتے ہیں انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ہی سنی ہیں اور ہم اپنے مشاغل کی وجہ سے ان سے محروم رہ گئے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے بھی ایک موقع پر کہا ابو ہریرہ ہم لوگوں کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں زیادہ رہتے تھے اور آپ کی احادیث زیادہ محفوظ رکھتے تھے (جامع ترمذی مناقب ابی ہریرہ)۔

اسلامی تہذیب و تاریخ میں علم دین اگر مال و دولت کی حرص اور دنیا طلبی کی ادنیٰ سی آرزو کے بغیر اس مجاہدانہ درویشانہ طریقے سے حاصل ہو تو پوری امت کے لیے خیر و برکت کا ذریعہ بنتا ہے لیکن جب دین کے عالم اور معلم دین کو دنیا کمانے کے لیے استعمال کریں بڑے علماء ان مدارس میں کام کرنا پسند کریں جہاں تنخواہ زیادہ ملتی ہو اور علماء مدارس میں تدریس ترک کر کے اسلامی بینکوں کی ملازمت اختیار کر لیں کہ مدارس میں تنخواہ بہت کم ہوتی ہے اور طلباء ان مدرسوں کا انتخاب کریں جہاں وظیفے زیادہ ہوں رہائش کی سہولتیں عمدہ ہوں اور کھانے پینے کا اعلیٰ معیار ہو اور مدارس طلباء کو راغب کرنے کے لیے اشتہارات شائع کریں اور اپنے اشتہارات میں طلباء کو دعوت دیں کہ ان کے یہاں بھاری وظیفہ ملتا ہے ایئر کنڈیشنڈ درسگاہیں ہیں کھیل کے میدان، سوئمنگ پول اور باغات ہیں اور علم دین بھی ہے تو ان رویوں کے نتیجے میں جو علم دین حاصل ہو گا وہ روح سے خالی اور دنیا کی لذتوں، دلچسپیوں سے معمور علم ہو گا۔ یہ علم نہ فرد کی آخرت بدل سکتا ہے نہ امت کی تقدیر۔ ایسے علم سے پناہ مانگنے کی ضرورت ہے جس کا تقاضہ دنیا کے لیے ہو اور جو صرف دنیا سے تمتع کو سہل ترین بنا دیتا ہو صرف علم سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اس کے ساتھ ساتھ خشیت خشوع و خضوع درکار ہے۔ انہی حضرت ابو ہریرۃ کے بارے میں ابو عثمان الہندی تابعی کہتے ہیں کہ میں ایک بار سات دن تک حضرت ابو ہریرہ کے یہاں مہمان رہا مجھے معلوم ہوا کہ انھوں نے ان کی اہلیہ اور خادم نے رات کے تین حصے کر لیے ہیں باری باری ایک ایک شخص اپنے حصۂ شب میں جاگتا ہے اور یہ ان لوگوں کا مستقل معمول ہے۔ (اصابہ، ج۷، ص۲۰۶) حضرت عمر نے انھیں بحرین کا عامل بنا دیا تھا لیکن جلد ہی آپ نے ان خدمات سے سبکدوشی حاصل کر لی دوبارہ حضرت عمر نے عامل بنانا چاہا تو انکار کر دیا دنیا سے اس قدر لاتعلقی کے باوجود وفات سے پہلے آپ رونے لگے کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا من قلة الزاد وندة المفازة سفر سخت ہے اور زاد راہ کم ہے۔

یہ خوف آخرت تھا ورنہ ان کے پاس زاد راہ کم نہ تھا اگر ان کے پاس کم تھا تو پھر کس کے پاس زیادہ ہو گا۔ کیا امت مسلمہ کے پاس ایسے شیخ الحدیث موجود ہیں اگر نہیں ہیں تو یہ امت زوال کے اندھیرے سے کبھی نہیں نکل سکتی۔ آج کے دین دار امراء اور لوگوں کے خدام ایسے ہوں گے کہ وہ رات کو عبادت کے لیے تیار ہوں؟ ان امراء کا خدام کے ساتھ رویہ کیا ہے کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت

نہیں۔ اسی لیے امراء کے گھروں میں ڈکیتیاں، چوریاں، قتل و خون اغواء کی وارداتیں انہی خدام کے ذریعے ممکن بنائی جاتی ہے جن کے ساتھ غلاموں سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر یہ امراء اخوت اسلامی کو ملحوظ رکھتے تو یہی خدام ان کے جان و مال و آبرو کی حفاظت کرتے لیکن اخوت اسلامی صرف لفظ کی سطح پر ہے عملی زندگی اخوت کے اس روحانی تصور سے خالی ہے جو "مواخات" کے ذریعے تاریخ کے صفحات میں قیامت تک کے لیے محفوظ ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے اس سطح کی مواخات تو ممکن نہیں عصر حاضر میں امراء کی جانب سے ہمدردی، محبت اور انفاق کی ادنیٰ سے ادنیٰ سطح بھی گھروں کے خدام کے لیے روا نہیں رکھی جاتی۔ ہماری معاشرت سرے سے اسلامی ہی نہیں ہے۔

حضرت زید بن حارثہ رسالت مآب ﷺ کے خادم اور غلام تھے ان کے والد اور چچا کو ان کا سراغ ملا تو وہ مکہ آئے اور فدیہ کے لیے زر کثیر رسالت مآب ﷺ کو پیش کیا۔ آپ نے حضرت زید کو بلایا اور فرمایا ان لوگوں کو پہچانتے ہو اپنے والد اور چچا کو انھوں نے پہچان لیا آپ نے ان سے کہا کہ اپنا مال اپنے پاس رکھو یہ زید ہیں اگر یہ تم لوگوں کے ساتھ جانا چاہیں انھیں اختیار ہے۔ رسالت مآب ﷺ نے زید کی گردن سے غلامی کا طوق اتار دیا مگر حضرت زید نے رسالت مآب ﷺ کی محبت کا طوق غلامی دوبارہ گلے میں ڈال لیا اور اپنے باپ و چچا کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ حضرت زید کی اس محبت کے باعث رسالت مآب ﷺ نے حرم شریف میں قریش کو گواہ بنا کر انھیں اپنا بیٹا قرار دیا وہ زید بن محمد کہلانے لگے۔ کیا عہدِ حاضر کے دین داروں کے لیے خدام و غلام سے برتاؤ کے اس واقعے میں کوئی سبق ہے رسالت مآب ﷺ نے اس غلام اور خادم کو بیٹا بنانے کے بعد ان کی ایسی تربیت فرمائی کہ غزوۂ موتہ کا جو لشکر جو آٹھ ہجری میں روانہ ہوا اس کے امیر آپ ہی تھے۔ آپ کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے فرمائی پھر طلاق کے بعد آپ نے والد کی باندی سے ان کا نکاح فرمایا جن سے حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ اس غلام اور خادم سے رسول اللہ ﷺ کی محبت کا حال یہ تھا کہا ایک بار وہ کہیں باہر سے مدینہ طیبہ آئے حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ زید نے دروازہ کھٹکھٹایا آپ اتنی سرعت کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے نکلے کہ آپ کی چادر جسم مبارک کے نیچے کھسک گئی اور آپ ﷺ اسے گھسیٹتے ہوئے ہی باہر نکل گئے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی بھی آپ کو اس حالت مین باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا آپ نے ان کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔ ان کی بہادری اور قائدانہ صلاحیت کے باعث جس غزوہ میں حضرت زید تشریف لے جاتے لشکر کا امیر انہی کو بنایا جاتا جب رسالت مآب ﷺ خود غزوہ میں جاتے تو مدینہ میں اپنا خلیفہ زید کو بنا کر جاتے۔ (جامع ترمذی، باب ماجاء فی المعانقہ والقبلۃ، فتح الباری، ج ۷، ص ۸۷، بحوالہ سنن نسائی)

کیا عہد حاضر کی کوئی دینی شخصیت اپنے خادم سے یہ تعلق محبت، قرابت، الفت ظاہر کر سکتی ہے؟ ایک غلام حضرت زید اور ان کی اہلیہ ایک باندی ام ایمن کے بطن سے حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ آپ کی پرورش رسالت مآب ﷺ نے پوتے کی طرح کی۔ پندرہ سال کی عمر میں غزوۂ خندق میں شرکت کی اجازت ملی، کئی غزوات میں شریک ہوئے اور کئی میں امیر بنا کر بھیجے گئے۔ رسالت مآب ﷺ نے وفات سے پہلے آپ کو بیس سال کی عمر میں امیر لشکر مقرر کیا، اس لشکر میں حضرت ابو بکر، عمر، سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو عبیدہ الجراح جیسے جلیل القدر سپاہی حضرت زید کی قیادت میں شریک تھے۔ بعض حضرات کو اس پر

اشکال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا زید بھی امارت کے اہل تھے اور واللہ مجھے انتہائی محبوب بھی تھے۔ اسی طرح یہ اسامہ بھی واللہ امارت کے اہل ہیں اور مجھے انتہائی محبوب بھی ہیں۔ لقد کان خلیقاً للامارۃ وایم اللہ ان کان من احب الناس الی وایم اللہ ان ھذا لخلیق لھا وان ھذا لمن احب الناس الی (صحیح مسلم باب فضائل زید بن حارثہ وابنہ اسامہ و صحیح بخاری باب غزوہ زید بن حارثہ وباب بعث النبی و جامع ترمذی مناقب زید بن حارثہ) صحیح مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے میں تم لوگوں کو ... کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں اس لیے کہ وہ تم لوگوں کے صالحین میں سے ہیں۔ فاوصیکم بہ فانہ من

[illegible]

حضرت اسامہ یعنی ایک ... غلام باپ اور ایک باندی ماں کے صاحب زادے سے رسالت مآب ﷺ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کو اپنی گود میں لیتے ... صاف کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ حضرت عائشہ نے عرض کیا آپ رہنے دیجیے ... عائشہ احبیہ فانی احبہ عائشہ یہ مجھے محبوب ہے تم بھی اس سے محبت کیا کرو (جامع ترمذی ...) ... ت آپ ﷺ کے انتقال کے بعد بعض اصحاب کی رائے تھی کہ لشکر حضرت اسامہ کی قیادت میں نہ بھیجا جائے اور کسی سن رسیدہ شخص کو امیر بنایا جائے لیکن حضرت ابو بکر نے اس لشکر کے بارے میں کسی تبدیلی کی رائے کو قبول نہیں کیا۔ یہ لشکر صحیح سالم فتح یاب لوٹا کیا عہد حاضر کے مسلمانوں کے لیے یہ طریقہ قابل قبول ہو سکتا ہے ؟ کیا وہ حضرت ابن عباس اور حضرت اسامہ بن زید جیسے کم عمروں کی عظمت اور قیادت کو خوشی قبول کر لیں گے ؟ ایک کمسن نوجوان کی قیادت میں جہاد کے لیے ایک سپاہی کے طور پر شریک ہونے میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر جیسے کسی بدری صحابی کو کوئی تردد نہ تھا انا، خود پرستی، خود نمائی، برتری، عظمت کے تمام تصورات اتباع رسالت نے ختم کر دیئے تھے دین کو یہ عاجزی، یہ سادگی، یہ رویہ، یہ ایمان، یہ اسلوب مطلوب ہے لیکن یہاں تو معاصرانہ رقابتیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں، اگر دعوت نامے میں نام آگے پیچھے کر دیا جائے تقریر میں تقدیم و تاخیر ہو تو تعلقات ختم کر دیئے جاتے ہیں اس کا نام عصر حاضر میں دینی حمیت ہو گیا ہے۔ عقلیت کے مارے ہوئے جدید ذہن اس فکر و نظر سے محروم ہیں جو خیر القرون کا طرۂ امتیاز تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کے لیے رسالت مآب ﷺ نے ارشاد کیا: " انعم الرجل عبد اللہ لو کان یصلی من اللیل "عبد اللہ بہترین شخص ہیں کیا ہی اچھا ہو وہ تہجد بھی پڑھنے لگیں اس ارشاد کے بعد حضرت عبد اللہ کا حال یہ تھا کہ "بعد ذالک لاینام من اللیل الا قلیلا "حضرت عبد اللہ رات کو بس برائے نام ہی سوتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم فی المناقب) رسالت مآب ﷺ نے ایک بار حضرت عبد اللہ بن عمر کا کندھا پکڑ کر فرمایا "کن فی الدنیا کانک غریب اور عابر سبیل وعد نفسک من اهل القبور" (جامع ترمذی باب ما جاء فی قصر الامل) یعنی دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ تم پردیسی ہو یا مسافر اور اپنے کو اہل قبور یعنی مردوں میں شمار کرو اس ارشاد کی تعمیل میں حضرت عبد اللہ بن عمر نے بے زارانہ زندگی گزار دی دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ شہادت عثمان کے بعد بعض صحابہ نے آپ سے بیعت کرنا چاہی لیکن آپ نے منع فرما دیا۔ حضرت علی و حضرت معاویہ کے مابین شدید اختلافات ہوئے تب بھی بعض صحابہ نے کہا کہ آپ کے نام پر تقریباً سب

متفق ہی ہو جائیں گے لیکن وہ پھر بھی راضی نہ ہوئے کیونکہ حضرت عمر نے بھی وصیت کی تھی کہ خلافت کے لیے مشورے میں میرے بیٹے عبداللہ کو بھی شامل کریں لیکن خلافت کے لیے ان کا انتخاب نہ کریں۔ (البدایہ والنھایہ، ج ۷، ص ۱۴۵) حضرت عثمان نے انھیں قاضی بنانا چاہا تو آپ راضی نہ ہوئے (طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۱۴۶)

دنیا سے اس قدر گریز کے باوجود انفاق میں بے مثال تھے راہِ خدا میں کثرت سے مال و دولت خرچ کرتے تھے۔ غلام باندی کو آزاد کر دیتے آپ کے غلام نافع کے لیے ایک ہزار دینار کی پیش کش ہوئی لیکن آپ نے لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔ یہ غلام آپ کے شاگرد خاص تھے۔ فیاضی سخاوت انفاق کا یہ عالم اس وقت تھا جب دنیا سے مکمل گریز بھی تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی شہادت ہے "ان املک شباب قریش لنفسه عن الدنیا عبد الله بن عمر" (اصابہ، ج ۴، ص ۱۰۷) ترجمہ: "قریش کے نوجوانوں میں دنیا کے معاملے میں اپنے نفس پر سب سے زیادہ قابو رکھنے والے عبداللہ بن عمر ہیں۔" ان کے مقام کا اندازہ صرف اس بات سے کیجیے کہ خلافت کی پیش کش ہو رہی ہے مگر آپ قبول نہیں فرما رہے۔ عہدۂ قضا کو رد کر رہے ہیں اور ایک عہد حاضر کے دنیادار اور اہل دین ہیں جو خلافت، حکومت، سلطنت کے لیے ہر وہ کام کر رہے ہیں جس کی شریعت میں اجازت نہیں ہے اقتدار کی غلام گردشوں میں گردش کرنے کا شوق انھیں کس کس وادی میں لیے پھرتا ہے سب پر عیاں ہے جس کو یہ عہدے نہیں مل رہے وہ اسے طلب کرنے میں مصروف ہے خود اپنے لیے خطابات ایجاد کر لیتا ہے کوئی عہدہ نہ ملے تو اپنے اپنے علاقوں اور جماعتوں میں خلیفہ بن کر قیادت فرما رہے ہیں اور اپنی جماعت کے لوگوں سے اسی اطاعت اور نظم وضبط کا مطالبہ کر رہے ہیں جو صرف "الجماعت" کے امیر کے لیے مطلوب ہے۔ ہر شخص کو امت کی قیادت رہنمائی کا شوق ہے نہ اس کے پاس زہد ہے نہ علم نہ خدا کا وہ خوف جو تمام معاملات کو درست کر دیتا ہے۔ ایسی قیادت امت کی تقدیر کیسے بدل سکتی ہے؟ حضرت سلمان فارسی کو حضرت عمر نے مدائن کا حاکم بنایا اور پانچ ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا تھا لیکن وہ سب راہ خدا میں خرچ کرتے اور خود اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے (کتاب ذکر اھل اصبھان) کیا یہ کردار ہمیں عہد حاضر کی اسلامی ریاستوں کے انقلابی رہنماؤں اور دینی قیادت کے رویوں میں نظر آ رہا ہے۔ ان کے تو اخراجات ہی پورے نہیں ہوتے ضروریات زندگی تعیشات زندگی سے بدل گئی ہیں اس پر فخر بھی ہے ہر تعیش کو یہ ضرورت قرار دیتے ہیں اور اسلام کی عظمت اس سے وابستہ کر دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحب زادے سالم کی روایت ہے کہ ان کی دعوت ولیمہ میں حضرت ابو ایوب انصاری میزبان رسول بھی مدعو تھے۔ جب وہ تشریف لائے تو انھوں نے دیکھا کہ میرے مکان کی دیواروں پر کپڑے کے پردے لٹکے ہوئے ہیں جنھیں دیکھ کر حضرت ابو ایوب نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور کہا دیواروں کو کپڑے پہناتے ہو۔ حضرت ابن عمر نے کہا عورتیں غالب آ گئیں حضرت ابو ایوب ناراض ہوئے اور کھانا کھائے بغیر چلے گئے اور کہا "حسن حتیت ان لغلبه النساء فلم اخش ان یغلبنک لا ادخل لکم بیتا ولا اکل لکم طعاما" (صحیح بخاری ھل یرجع اذا رای منکر فی الدعوۃ) خیر

القرون کا ہر فرد ایمان، یقین، عمل میں ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ ایک دوسرے کا محاسب، نگران، خیر خواہ ناصح اور خلاف سنت عمل پر فوری گرفت کرنے والا اور جس کی گرفت کی جا رہی ہے اس کا تقویٰ دیکھیے کہ وہ اپنے عمل کی کوئی تاویل توجیح پیش نہیں کر رہے اس کو حیلے بہانے سے شرعی ثابت کرنے پر تیار نہیں دیانتداری اور ایمانداری کا عالم یہ ہے کہ حضرت ابن عمر جیسے زاہد عابد شخص کے بارے میں میزبان رسول کا سخت نقد چھپایا نہیں جا رہا بلکہ ابن عمر کے صاحب زادے حضرت سالم اس واقعے کو امت سے چھپانے کے بجائے اس کو روایت کر کے امت کے لیے محفوظ کر رہے ہیں کہ مومنین ایک دوسرے کے اعمال کے کیسے نگراں ہوتے ہیں اور حق کے اظہار پر کسی کو ناگواری نہیں ہوتی سورۂ عصر کی آیت (و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر) کی بہترین تفسیر یہی واقعہ ہے۔ کیا یہ صورت حال عہد حاضر میں ممکن ہے؟

عہد حاضر میں یہ صورت در پیش ہو تو سب سے پہلے اس واقعے کی روایت ہی نہیں کی جائے گی اور اگر ایسا واقعہ علم میں آ گیا تو فوری طور پر کہہ دیا جائے گا کہ طبیعت میں بہت تشدد ہے یہ ٹھیک نہیں ہے سب چلتا ہے۔ حضرت عمار بن یاسر کا کان کسی غزوہ میں کٹ گیا اس کے کٹنے پر عمار نے خوشی بلکہ فخر کا اظہار کیا فرماتے تھے مجھ کو کان کٹ گیا وہ زیادہ بہتر تھا اس کان سے جو بچ گیا اس لیے کہ وہ اللہ کے راستے میں کام آ گیا۔ عصر حاضر میں یہ مرحلہ در پیش ہو تو سب سے پہلے پلاسٹک سرجن کے مطب آباد ہوں گے۔ اسی ایمان کے باعث رسالت مآب ﷺ نے فرمایا تھا" دم عمار ولحمه حرام على النار ان لغطيمه "(فتح الباری ،ج۷، ص۹۱) جہنم کی آگ کے لیے حرام ہے کہ وہ عمار کے خون اور گوشت کو کھائے۔ حضرت سیدنا معاویہ ملک شام کے حاکم ہوئے، حضرت عبادہ بن صامت وہیں قیام پذیر تھے۔ ایک دن ایک خطیب نے خطبے میں حضرت معاویہ کی موجودگی میں ان کی تعریف شروع کر دی۔ حضرت عبادہ نے زمین سے خاک اٹھائی اور خطیب کے منہ پر مار دی حضرت معاویہ نے جب اس عمل پر گرفت کی تو فرمایا ہمیں رسول اللہ ﷺ نے یہی حکم دیا ہے کہ منہ پر تعریف کرنے والوں کے منہ پر خاک ڈال دیں (سیر اعلام النبلاء، ج۳، ص۱۰)۔ قیام شام میں آپ نے حضرت معاویہ کے بعض امور پر نکیر فرمائی اور حضرت معاویہ نے اسے تسلیم بھی کیا لیکن کیا عہد حاضر کی علیت و تعقل کے لیے یہ طریقہ قابل قبول ہے جہاں بڑے بڑے دین دار لوگ اپنے رسائل و جرائد اور اداروں میں اپنے لیے بڑے بڑے القابات درج کرنے پر اپنی شان میں قصیدے پڑھے جانے پر کوئی اعتراض نہیں کرتے ان قصائد کو پڑھ کر دنیا دنگ ہوتی ہے۔ دینی جماعتیں اور دینی تحریکیں ہر سال کسی خاص تقریب میں یا خاص موقع پر اپنے قصائد خود دنیا کے سامنے پیش کرتی ہیں اور اسے کسی سطح پر بھی بدعت تصور نہیں کیا جاتا۔

حواشی

(۱) "خیر القرون قرنی" کے الفاظ کے ساتھ حدیث نبوی ﷺ ثابت نہیں تاہم اس سے ملتے جلتے متعدد الفاظ سے یہ روایت ثابت ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "خیر القرون قرنی- الفاظ حدیث کا تحقیقی جائزہ" از محمد یوسف نعیم۔